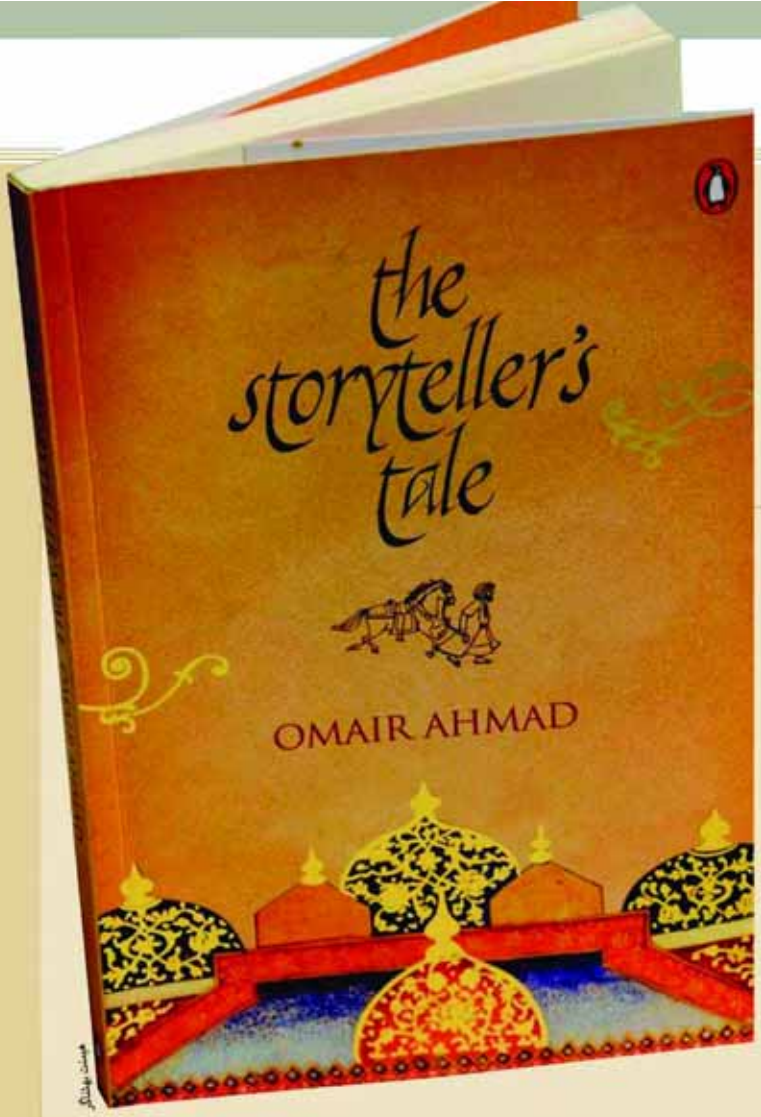

قصہ گوئی کی روائت کی تجدید

انجم نعیم

عمیر احمد کی قصہ گوئی عشق اور تشدد کے متنوع اثرات کی تخلیق کرتی نظر آتی ہے۔

۲۳ جنوری ۱۷۵۷ کو افغان حکمران احمد شاہ ابدالی کا ہندوستان پر چوتھا حملہ دہلی کی تباہی کا پیغام لیکر آیا۔ شاہجہاں آباد کے نام سے موسوم اس فصیل بند شہر کی تاراجی صرف جانوں اور عمارتوں کا زیاں نہیں تھا بلکہ ایک تہذیبی اور ثقافتی تاراجی تھی جس نے ہند اسلامی تاریخ کو بدل کر رکھ دیا۔ سائراکس یونیورسٹی' نیویارک سے انٹرنیشنل ریلیشنز میں ماسٹر ڈگری کرنے والے عمیر احمد کے ۱۲۲ صفحات پر مشتمل پینگوئن سے شائع شدہ ناولٹ ''دی اسٹوری ٹیلرس ٹیل'' کا زمانی حوالہ اٹھارویں صدی کا وہی ہندوستان ہے جس کا شاہد وہ قصہ گو ہے جو اپنے اس پیارے شہر کی تباہی کے وقت اس شہر میں موجود نہیں تھا اور اب جو خاک وخون کے ملبے سے جھانکتے ہوئے اس شہر میں آیا ہے تو یہاں اسے کوئی پناہ گاہ نہیں مل رہی ہے۔ شکستہ دل قصہ گو شہر پناہ سے باہر آتا ہے اور کچھ دوری پر ایک قصبہ میں قیام کرتا ہے جہاں ایک خوبصورت حویلی جو احمد شاہی تاراجی سے محفوظ ہے' میں اس کی ملاقات ناول کی مرکزی کردار بیگم سے ہوتی ہے جو اپنی حویلی میں ملازموں کے ساتھ تنہائی کی زندگی گذار رہی ہے کیونکہ اس کا شوہران دنوں باہر گیا ہوا ہے۔ شائد دہلی کی لوٹ کا حصہ دار بننے۔ بیگم کو جب داستان گو کے فن کا اندازہ ہوتا ہے تو وقت گذاری کے لئے وہ طے کرتی ہے کہ دونوں ایک ایک کہانی' جو چاہے جگ بیتی ہو یا خود بیتی' ایک دوسرے کو سنائیں گے البتہ شرط یہ ہے کہ کہانی ایسی ہو جو دونوں کے مزاج کی عکاسی کرے۔ اس قصہ گوئی میں وقت کی رفتار تھم جاتی ہے اور یکے بعد دیگرے قصہ گو اور بیگم کی جانب سے چار کہانیاں سنائی جاتی ہیں۔ قصہ گوئی کا عرصہ طویل ہے اور اس عرصے میں چار مختلف کہانیوں سے الگ ایک اور کہانی قصہ گو اور بیگم کے درمیان پروان چڑھنے والی محبت کی بھی ہے جس میں بیگم کے جذبات شدید ہیں مگر قصہ گو محبت کی آزمائشوں سے واقف ہے لہٰذا وہ ہمیشہ اس سے دامن بچانے کی کوششوں میں مصروف نظر آتا ہے اور اس طرح ان کی کہانی محبت کے اس تاریک پہلو کا بیانیہ بن جاتی ہے جس میں زیردست کو قیمت چکانا پڑتی ہے۔ ان چاروں کہانیوں کے کردار الگ الگ ہیں۔ داستانوں کا انداز ہے' قصہ گوئی کا زمانہ احمد شاہ ابدالی کی دہلی کا منظرنامہ پیش کرتا ہے لیکن ہر کہانی آج کے واقعات کی حوالے سے ہماری جانی پہچانی تصویر پیش کرتی ہے۔ اور یہی کمال ہے داستان گوئی کے انداز میں لکھی ہوئی نہایت دلچسپ بیانیہ سے مملو تہہ در تہہ اس کہانی کا جو ہمیں آج کے ڈکشن میں بتاتی ہے کہ محبت کس طرح سیاسی قوت کے توازن کو لامحدود کرتی ہے اور یہ بھی کہ کس طرح سیاسی قوت محبت پر اثر انداز ہوتی ہے۔

بنیادی طور پر اس داستان کا مرکزی حوالہ وہ تشدد ہے جو زمان ومکان کے قیود سے آزاد ہر منظرنامے میں نظر آتا ہے۔ داستان گو اس مرکزی حوالے کو کسی بھی قصے میں اپنے ذہن سے جھٹک نہیں پاتا بلکہ وہ اسے کسی نہ کسی انداز میں جگہ جگہ نمایاں طور پر پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ ناول نگار کے ذہن میں تشدد کی مختلف شکلیں ہر وقت کسی نہ کسی مباحثے میں مصروف ہیں۔ عمیر احمد کہتے ہیں کہ ''ہم اس حقیقت سے چشم پوشی کر ہی نہیں سکتے کیونکہ تشدد اور شدت پسندی کسی نہ کسی انداز میں ہم میں سے سبھی کو متاثر کر رہی ہے بلکہ مجھ جیسے لوگوں کی زندگی کا تو مرکزی حوالہ بن کر رہ گئی ہے۔''

ایک عام قاری کے ذہن میں یہ سوال آتا ہے کہ جب ہم ان مسائل کو موضوع بحث بنا رہے ہیں جو ہمارے جانے پہچانے ہیں تو پھر اسے داستان یا قصہ گوئی کے روائتی فارم میں کیوں لکھا گیا ہے؟ عمیر احمد ایک تو اس کا بہت سیدھا سا جواب دیتے ہیں کہ'' میں قاری کے سلسلے میں زیادہ نہیں سوچتا میں تو ان پرانے درد اور غم کی داستانوں کے تانے بانے بنتا ہوں جنہیں میں نے اپنے بچپن میں دیکھا اور سنا ہے۔''

لیکن وہ اس بات کو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ قصہ گوئی کا یہ فارم بہت پرلطف اور زوردار طریقہ ترسیل ہے۔ ہم اس فارم میں جس شدت سے اپنی بات کہہ سکتے ہیں شائد دوسرا فارم وہ فریضہ انجام نہیں دے سکتا۔ عمیر احمد کے بقول '' آپ اس کا اندازہ قرانی کہانیوں اور انجیلی حکائتوں کی اثر انگیزی سے لگا سکتے ہیں۔ اور پھر بچپن کی سنی ہوئی کہانیاں ہماری سائیکی کا حصہ بھی بن جاتی ہیں۔''

عمیر احمد کہتے ہیں کہ امریکہ میں اپنی طالب علمی کے دوران وہ روائتی اسٹوری ٹیلنگ کے پروگرام میں بہت دلچسپی کے ساتھ شریک ہوا کرتے تھے اور ٹال ٹیلس کی روائت سے کافی متاثر تھے۔ اٹھارہویں صدی کی وہ داستانیں جن میں بہادری کے کارنامے بیان کئے جاتے تھے۔ ناول لکھتے وقت یہ امریکی روائت بھی ان کے پیش نظر تھی۔ عمیر کہتے ہیں کہ اردو فارسی کی داستانیں جو ان کے گھر میں پڑھی جاتی رہی ہیں اور مہابھارت کے رزمیے ان کے ادبی ذوق کا حصہ ہیں اس لئے انہیں اس فارم میں اپنی بات رکھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ واضح ہو کہ اس ناولٹ میں پیش کی گئی چاروں کہانیوں کے حکایاتی عنصر ہندوستانی پنچ تنتر کی کہانیوں' بائبل کی حکائتوں اور قرانی تلمیحوں پر مبنی ہیں۔

عمیر احمد بنیادی طور پر ایک متحرک صحافی اور سوشل ایکٹیویسٹ رہے ہیں اور ہندوستان کے چھوٹے شہروں اور دیہاتوں میں زندگی گزارنے والے عام لوگوں کی زندگی کے معمولات پر انہوں نے کئی کہانیاں لکھی ہیں جو' سینس ٹیرا' کے عنوان سے ۲۰۰۸ میں مینجیز ایڈیٹر کی جانب سے شائع ہوئیں اور مسلمانوں کے ایک طبقے میں پنپتی ہوئی شدت پسندی پر لکھا ہوا ناول' انکاؤنٹرس' جسے ۲۰۰۷ میں تارا پریس نے شائع کیا' اور پھر یہ زیر مطالعہ ناولٹ' سبھی تحریریں کسی نہ کسی طور پر اسی مسئلے یعنی فکری اور عملی انتہا پسندی کو اپنا موضوع بناتی ہیں۔ بات کسی فارم میں کہی جائے' اہمیت موضوع کی ہوتی ہے۔